یادِ رفتگان

تحریر

جناب حافظ محمد عبدالاعلیٰ ایم۔اے خطیب بریڈ فورڈ ۔ برطانیہ

آئی جو تیری یاد آتی ہی چلی گئی

# خطیب اسلام حضرت مولانا محمد صدیق فیصل آبادیؒ کی یاد میں

ایک مردِ قلندر، ایک بطلِ حریت

مولانا محمد صدیق فیصل آبادی ــــ انتقال کر گئے ــــ الاسلام کا ٹائیٹل پلٹتے ہی یہ خبر نظر پڑی۔ تو دل دھک کر رہ گیا۔ میں گذشتہ ایک ماہ سے برطانیہ میں مقیم ہوں۔ جماعت کے حالات جاننے کا واحد ذریعہ۔ ہفت روزہ الاسلام ہے۔ جسکا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ جو تاریخ اشاعت سے چھ سات دن بعد ملتا ہے ــــ چنانچہ ۱۱ ستمبر کو ان کا انتقال ہوا تھا۔ اور ہمیں یہ خبر ۲۶ ستمبر کو پڑھنے کو ملی، اسی روز لاہور سے عزیز بھائی شیخ محمد اسلم چاہ میراں کا بھی خط یہ خبر لے کر آیا ــــ مولانا محمد صدیق میرے استاذ تھے بزرگ تھے، میرے شہر فیصل آباد کے مرکزی خطیب تھے۔ ان سے مجھے محبت تھی، عقیدت تھی، ایک گہرا رشتہ تھا۔ گذشتہ پانچ برس سے فالج کا شکار ہونیکی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ گذشتہ برس ان کی ملاقات کو گیا تھا تو وہ بڑی مشکل سے پہچان پائے تھے۔

ایک وہ دور تھا کہ ان کی دبنگ شخصیت کی دھوم تھی، خطابت کا شہرہ تھا، سیاسی و مذہبی تحریکوں کی جان تھے، اہلحدیث کے فیصل آباد تب لائل پور کے سب سے بڑے خطیب تھے، کامیاب مناظر تھے ــ رافضیت پر کڑی نظر تھی، قادیانیت پر عبور تھا۔ گھنٹوں مناظرانہ انداز میں بول لیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے جغادری مولانا کا نام سن کر میدان سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھتے تھے۔ جماعت اہل حدیث کی تنظیم میں ان کا کردار نمایاں تھا۔ منتظم بھی تھے، صائب الرائے تھے۔ سیاسی طور پر مسلم لیگ سے وابستگی رکھتے تھے۔ بلکہ مسلم لیگ سے وابستگی انہیں اپنے شیخ حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رح اور حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رح سے ورثہ میں ملی تھی۔ ہمیشہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑتے تھے۔ ذاتی طور پر خاندانی زمیندار اور رئیس تھے۔ فیصل آباد سے ۵۰ میل جنوب میں تاندلیانوالہ کا ایک قریبی

گاؤں کٹو چک ان کا گاؤں تھا۔ تاندلیانوالہ میں ان کی ایک روئی کی مل بھی تھی۔ شہر فیصل آباد میں ان کا وسیع کاروبار تھا۔ ان کے صاحبزادے شہر کے بڑے تاجروں میں شمار ہوتے ہیں ـــــــ اور آج یہ ہمہ پہلو شخصیت تہہ خاک سو گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ رہے نام اللہ کا ـــ سچ ہے کل من علیھا فان ویبقیٰ ربك ذوالجلال والاکرام ـ دنیا کی بے ثباتی کی اس سے بڑھکر اور دلیل کیا ہو سکتی ہے۔

برطانیہ میں یوں تو بارہ مہینے ہی سردی پڑتی ہے۔ مگر اسکی شدت میں اکتوبر سے اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ باہر سخت طوفان اور بارش ہو رہی ہے ـــــ اور مولانا کی خبر وفات پڑھکر میرے دل میں بڑا سخت طوفان برپا ہو گیا، دماغ میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور بے اختیار قلم اٹھا کر اپنے اس مرحوم بزرگ، مشفق استاذ، محبوب رہنما، مبلغ اور عظیم خطیب پہ چند سطور لکھنے لگا۔ کہ چند ماضی کی باتیں یاد آ رہی ہیں۔ چھپ جائیں گی تو چار دن لوگوں کے حافظے میں مولانا محمد صدیق کا نام تو رہے گا۔ ورنہ محسن فراموشی کی تو حد ہی ہو گئی ہے۔ کسی بھی عالم کی وفات کے بعد چند دن تعزیتی خطوط چھپتے ہیں۔ اور پھر انہیں نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے۔ کاش کوئی ہمیں اس عادت سے چھٹکارا دلا دے اور ہمارے بزرگوں کی یاد تازہ کرنے کا ذوق پیدا کرے۔ کتنی عظیم شخصیتیں ہو گذری ہیں۔ کہ ہمیں ان کے نام بھی بھولتے جا رہے ہیں۔

مولانا کی وفات سے لائل پور کی ایک تاریخ کا باب بند ہو گیا ہے۔ پچھلے بیس پچیس سال میں کتنے انقلاب آئے۔ حالات نے کتنی کروٹ بدل لی۔ بڑے بڑے ہیرے تہہ خاک چھپ گئے۔ ان کا نام لیتے ہی دل و دماغ میں عجیب سی بے خودی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ گذشتہ بیس پچیس سالہ اہلحدیث کی تاریخ کے اس سنہری باب کو تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر دوں۔ شاید عبرۃ لاولی الالباب کی کوئی صورت نکل آئے اور تاکہ دل کے زخم ذرا ہرے ہو جائیں۔ کہ اس کیفیت میں بھی بے پناہ لذت محسوس ہوتی ہے۔ یوں بھی آج

کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

جب ہم نے شعور کی آنکھ کھولی ـــ تو اہل حدیث اور اکابر اہلحدیث سے محبت و عقیدت

سے اپنے دل کو سرشار پایا۔ لائل پور میں جن اہلحدیث اکابر کا نام گونجتا تھا۔ ان میں ایک اہم شخصیت مولانا محمد صدیق بھی تھے جن کا تفصیل سے تذکرہ آئندہ سطور میں کروں گا۔ بالکل بچپن میں مولانا احمد دین گکھڑویؒ جو ان دنوں ہمارے محلہ مومن آباد میں خطیب تھے۔ مولانا احمد دین رحمہ اللہ سے ہمارے گھرانے کو بہت محبت تھی کہ اہل علم کی خدمت کی سعادت ہمیشہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مولانا احمد دین کا حلیہ مجھے پوری طرح یاد نہیں کیونکہ یہ بہت عرصے کی بات ہے۔ ———— انہیں عیسائیت اور قادیانیت پر بڑا عبور تھا۔ کامیاب مناظر تھے۔ مخالفین پر بڑے تند و تیز جملے کستے تھے۔ ان کی شدت طبع کا شہرہ تھا۔ اسی رعب کی وجہ سے مخالف مناظر ان کے سامنے آنے کی ہمت ذرا کم ہی کرتے تھے۔ بڑے حاضر جواب اور ذہین انسان تھے۔ ان کے مناظرانہ لطیفے کسی زمانے میں زبان زد عام تھے۔ مولانا کا شمار ان اہلحدیث مبلغین سے تھا جنہوں نے دور دراز کے علاقوں میں پیدل چل کر مسلک حقہ کی حقانیت پھیلائی۔ مولانا علی محمد صمصام رحمہ اللہ، مولانا اسمٰعیل روپڑی، مولانا رفیق مدنپوریؒ، مولانا نور حسین گھرجاکھی پر مشتمل علماء و مبلغین کا یہ قافلہ بڑا جفاکش تھا۔ بعد میں ان کے ساتھ خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد حسین شیخوپوری مدظلہ العالی بھی شامل ہو گئے۔ شامل کیا ہوئے سب پر چھا گئے تھے۔ مولانا احمد دینؒ کو ۶۸ء یا ۶۹ء میں مندر گلی جامع مسجد میں ایک بار دیکھا تھا۔ بہت ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے۔ اس کے بعد پتہ نہیں کب فوت ہوئے۔ غالباً ان کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اسلئے ان کے کوائف کا پتہ نہیں چل سکا۔ ردِ عیسائیت اور رد قادیانیت پر ان کی کتابیں بھی دیکھی تھیں۔ شاید کسی لائبریری میں محفوظ ہوں (کیونکہ ایسی کتابیں محفوظ ہونے کیلئے تو لکھی جاتی ہیں۔ کاروبار تو ان سے نہیں چل سکتا۔ جبکہ لوگوں کو تو صرف منافع ملنا چاہیئے)

لائل پور میں اس وقت اہلحدیث کے دوسرے بڑے خطیب واعظ شیریں بیان، قاطع شرک و بدعت معروف مبلغ و مناظر حضرت مولانا محمد رفیق مدنپوری تھے۔ آپ روپڑی خاندان کے شاگرد تھے۔ ان کی تقریر کی ایک خاص طرز تھی۔ سادہ مگر بے حد دلنشین۔ جتنا عرصہ مولانا تقریر کرتے رہتے۔ سامعین مسحور ہو کر بیٹھے رہتے۔ جب قرآن پڑھتے تو یوں فضا نغمہ ریز معلوم ہوتی

تھی۔ طبیعت بڑی ملنسار، خوش اخلاق اور مہمان نواز پائی۔ وہ غالباً محلہ مدن پورہ کے ہی رہنے والے تھے۔ کہ یہ محلہ مولانا ہی کی وجہ سے مشہور ہوگیا۔ بہت بڑی مسجد بنائی۔ جمعہ کے خطبہ میں بڑا رش لیتے تھے۔ عقیدت تو ان سے بچپن ہی سے تھی۔ مگر جان پہچان ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ جب میں لاہور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ ان کے رسالہ میثاق کیلئے کام کرتا تھا۔ انہی دنوں مولانا نے اپنی مسجد میں بہت بڑا جلسہ کرایا۔ اور میرا نام بڑے نمایاں انداز میں لکھوایا۔ جس کی وجہ سے میں نے تقریر کیلئے بھرپور تیاری کی اور بحمداللہ مولانا اور سامعین اس روز مایوس نہیں ہوئے۔ بعد میں مولانا نے بتایا کہ میرا مقصد بھی تجھے تشجیع دلانا تھا۔ ایک بار ہیڈ بلوکی کے قریب بلوکی گاؤں میں تقریر کے دوران مولانا نے میرے ایک نئے شائع ہونے والے مضمون کا حوالہ دیا جو ان دنوں منکرین حدیث کے خلاف ترجمان الحدیث میں شائع ہوا تھا۔ اس سے ان کا مقصد نوجوانوں کی حوصلہ افزائی تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر بڑے اصاغر کا اس طرح خیال رکھیں تو اصاغر اپنے اکابر کا بڑا ہی احترام کرتے ہیں۔ مگر یہ پہلو ہمارے بڑوں کی نظر سے اکثر اوجھل رہتا ہے۔ مولانا محمد رفیق مدنپوری ؒ نے بھی بڑی بھرپور زندگی گذاری ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی تیزی سے عروج نصیب فرمایا تھا۔ ان کا انتقال غالباً ۱۹۸۱ء کے بعد ہوا۔ کہ ان دنوں میں سعودی عرب میں زیر تعلیم تھا۔

مولانا محمد رفیق مدنپوری ؒ کے علاوہ لائل پور میں مولانا عبدالرشید قمر کا نام بھی گونجتا تھا۔ مولانا مرحوم نہایت شیریں بیان مقرر تھے۔ غالباً ننکانہ میں خطیب رہے تھے۔ اس لیے وہ ننکانوی کے عرف سے بھی مشہور تھے۔ میرپور آزاد کشمیر کے ایک گاؤں چتر پڑی میں ۱۹۷۴ء میں قرآن مجید سنانے کا موقع ملا تھا۔ یہ گاؤں برطانیہ میں جماعت اہلحدیث کے عظیم مجاہد مولانا محمود احمد میرپوری ؒ کا ہے۔ اور مولانا میرپوری کے کہنے پر ہی میں وہاں گیا تھا۔ تو وہاں کے لوگ مولانا عبدالرشید ننکانوی کے بڑے مداح تھے۔ چنانچہ ان کی دعوت پر رمضان کے آخری عشرے میں مولانا وہاں تشریف لے گئے تھے۔ پہلی بار ان کا پرسوز وعظ سننے کا موقع ملا تھا۔ اتنے شیریں بیان تھے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بعد میں مولانا سے ۱۹۷۷ء میں بھٹو کے خلاف تحریک کا فیصل آباد میں آخری جلسہ ہوا تھا میں مولانا کے ساتھ تھا کہ اس کے کچھ

دنوں بعد ان کی وفات کی خبر ملی۔ میں ان دنوں شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا کا ایڈیٹر تھا۔ تب مولانا کی وفات پر تعزیتی اداریہ لکھنے کا موقع مل گیا۔ مولانا ثمر کی ہمارے محلے منصور آباد فیصل آباد میں رشتہ داری بھی تھی جس کی وجہ سے ہمارے محلہ کی جامع مسجد رحمانیہ کا افتتاحی خطبہ جمعہ مولانا نے ہی ارشاد فرمایا تھا۔ غالباً ۱۹۶۵ یا ۱۹۶۶ء کی بات ہے۔ مولانا شاہ آباد میں خطیب تھے۔ آجکل مولانا کی ایک بڑی ہمشیرہ اور ایک عزیز (نام یاد نہیں) وہ مال دی جھگی مسجد اہلحدیث کے خطیب تھے یا ہیں۔ دین کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔

مولانا محمد شریف اشرف بھی شہر کے قریب ایک محلہ کوثر آباد میں خطیب تھے۔ وہ سرخ و سپید رنگ اور خوبصورت چہرے، صورت اور سیرت والے انسان تھے۔ دردمند دل کے مالک تھے۔ جماعتی اتحاد میں انہوں نے بڑا موثر اور جاندار کردار ادا کیا تھا۔ شبان اہلحدیث بڑی منظم تنظیم ہوا کرتی تھی اس میں مولانا محمد طیب معاذ اور پروفیسر صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی دکھائی تھی۔ ۱۹۷۵ء کے جماعتی انتخابات جو فیصل آباد میں منعقد ہوئے تھے۔ مولانا اشرف کی شب و روز بھاگ دوڑ کا نتیجہ تھے۔ اللہ نے ان کی ______ اور ان کے رفقاء کی محنت قبول فرمائی — ہفت روزہ الاعتصام میں انہوں نے اس پر مقالے بھی تحریر فرمائے تھے۔ احباب جماعت ان مقالوں کو اخبار کی فائلوں سے نکال کر چھپائیں۔ تو شاید کوئی اور شریف اشرف پیدا ہو۔ اور جماعتی اتحاد کی کوئی صورت نکل سکے۔ ان مقالوں کے سر عنوان یہ آیت بھی درج تھی

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔

کیا ابھی ایمان والوں کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کیلئے جھک جائیں؟

ممتاز عالم دین مولانا محمد اسحاق صاحب چیمہ کا تذکرہ علیحدہ مضمون کا متقاضی ہے۔

استاذ محترم حضرت صوفی محمد عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہ ماموں کانجن [illegible] المجاہدین و بانی جامعہ تعلیم الاسلام [illegible] [illegible] اہلحدیث کی [illegible] مرکزی [illegible] حیثیت [illegible] حضرت صوفی صاحب کی ذات [illegible]

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن اور اس سے فارغ ہونے والے علماء و فضلا ان کا عنوان ہیں۔ اور جامعہ کی عمارت پر ایک شعر ان کا بہترین تعارف ہے۔

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

حضرت صوفی صاحب کے علاوہ حضرت میاں محمد باقر صاحب رحمہ اللہ بانی مدرسۃ البنات جھوک دادو طور، شیخ الاسلام حضرت مولانا علی محمد صمصام جن سے راقم کا ننھیالی رشتہ بھی ہے۔ شاعر توحید و سنت حضرت مولانا محمد ابراہیم خادم رحمہ اللہ چک عیسوآنہ تاندلیانوالہ بھی ان دنوں پورے جوبن پہ تھے مولانا خادم کشتی کے الٹنے کے باعث دریائے راوی میں واصل بحق ہو گئے تھے۔ اور مولانا صمصام مرحوم تو ان کے نام و کام سے کون ناواقف ہے۔ حقیقی معنوں میں محبت رسول سے سرشار تھے۔ ان کی شاعری اہلحدیث کی خطابت کی جان ہے۔

اب آپکو دوبارہ شہر لائل پور لے چلتا ہوں۔ جہاں مرکزی طور پر حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ کی خطابت کا شہرہ ہے۔ علمائے دیوبند میں ان دنوں مولانا محمد ضیاء القاسمی اور مولانا تاج محمود خطیب ریلوے کالونی اور مولانا مفتی زین العابدین بہت مشہور تھے۔ مولانا محمد صدیق کی خطابت کے ابتدائی زمانہ میں بریلویوں کے سرخیل مولوی سردار کی بہت شہرت تھی۔ مولوی سردار پنجاب میں وہ پہلے بریلوی تھے جنہوں نے ہندوستان کے مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے مشرکانہ و مبتدعانہ اور گمراہ کن افکار و عقائد کو پھیلانے کا کاروبار سنبھالا تھا ـــــ اس طرح پنجاب میں شرک و بدعت کا جو کام بھی ہوا انہی کے توسط سے ہوا۔ بعد میں انہی کے ایک شاگرد یا ساتھی مولوی عنایت اللہ سانگلوی کی یاوہ گوئی اور بدزبانی کے باعث بدعات و خرافات کی وبا دور دور تک پھیلی۔ ختم درود، قل، ساتواں چالیسواں، قبر پرستی، نذر لغیر اللہ اور اس قسم کی تمام خرافات مولوی احمد رضا کے بعد مولوی سردار اور عنایت سانگلوی کے باقیات السیئات میں سے ہیں۔ مولوی سردار نے مولانا محمد صدیق کیساتھ پنجہ لگایا تو میدان میں نکل آئے اور پھر جواب الجواب کا وہ سلسلہ شروع ہوا کہ آخر کار مولوی سردار

کو چپ لگ گئی۔ آخر قرآن و حدیث کے آبِ زلال کے سامنے خرافات و بدعات کا بدبودار جوہڑ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا محمد صدیق کے استقلال نے نہ صرف بریلویت کا پتہ پانی کر دیا۔ بلکہ لائل پور میں شیعیت کے قلعہ میں بھی دراڑیں ڈال دیں۔ ان دنوں مولوی اسمٰعیل شیعہ کی چرب لسانی بڑی معروف تھی۔ بڑا زبان دراز ذاکر تھا۔ مولانا محمد صدیق نے اس کا زبردست تعاقب کیا نکاح ام کلثوم بنت علیؓ منعقدہ با امیر المومنین عمر بن خطاب، اربع بنات رسول، فضیلت سیدہ عائشہ صدیقہ، فضیلت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، فضیلت سیدنا عمر فاروق رضؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ، باغ فدک حدیث ہجر، حدیث قرطاس اور وصیت غدیر خم یہ وہ معرکۃ الآرا مسائل ہیں جن میں شیعہ ذاکر حد درجہ بددیانتی اور خباثت کا پیرایہ اختیار کرتے۔ یہ الفاظ اگرچہ سخت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جو کچھ یہ لوگ اپنی تقریروں میں صحابہ کرامؓ جیسی پاکباز ہستیوں کے بارے میں خرافات بکتے ہیں۔ اور بازاری زبان استعمال کرتے ہیں۔ وہ اگر آپ بھی سن لیں تو میرے یہ الفاظ پھول سے زیادہ نرم و نازک محسوس ہوں گے۔ مولانا محمد صدیق نے ان موضوعات پر مناظرے کیے اور اسمٰعیل شیعہ ذاکر کو سرِ بازار ناکوں چنے چبوائے۔

## ایک اہم واقعہ

مولانا محمد صدیق نے یہ واقعہ اپنی زبانی ہمیں سنایا تھا۔ کہ جب وہ نئے نئے خطیب بن کر شہر کی مرکزی جامع مسجد میں پہلی بار آئے تو شیعہ کا امام باڑہ جو مسجد کے متصل تھا۔ صحابہ کرامؓ پر دشنام طرازی کا اڈا بنا ہوا تھا۔ سرِعام مجالس منعقد ہوتیں۔ جن میں صحابہ کرامؓ پر تبرا اور سب و شتم کیا جاتا۔ مولانا فرماتے ہیں ایک رات عشاء کے بعد میں مسجد کی چھت پر لیٹا ہوا تھا۔ اور محرم شروع ہونے کے باعث شیعہ کے امام باڑا میں بڑی رونق ہو گئی تھی۔ اور بڑے زور و شور سے مجلسیں منعقد ہو رہی تھیں۔ اچانک کسی بدزبان ذاکر کا وعظ شروع ہوا۔ اور اس نے صدیقہ کائنات، سیدہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ بنت صدیقؓ کی شان میں یاوہ گوئی شروع کر دی۔ کچھ دیر تو میں نے برداشت کیا۔ مگر جب اسکی زبان درازی بڑھتی گئی تو مجھے اپنے آپ پر اختیار نہ رہا۔ میں اسی وقت دھوتی بنیان پہنے ہوئے تھا۔ پستول ہر وقت پاس ہوتا تھا۔ اسی حالت

میں ننگے پاؤں ہی بھاگ کر مسجد کی سیڑھیوں سے اترا۔ اور زقندیں بھرتا ہوا شیعہ کے اسٹیج پر چڑھ گیا۔ (مولانا بڑے جوان، اور فربہ اندام تھے اوپر سے نوجوانی کا جوش) اور جاتے ہی ذاکر کے منہ پر پوری شدت سے چانٹا رسید کر دیا۔ وہ غیر متوقع صورتحال سے گھبرا گیا۔ اور گال سہلانے لگا۔ سامعین کو تو مجھے اس حالت میں دیکھ کر سانپ سونگھ گیا۔ میں نے پستول لوڈ کیا ہوا تھا۔ اس کا رخ لوگوں کی طرف کر لیا۔ اور خبردار کیا کہ اگر کسی نے حرکت کی تو گولی چلا دوں گا۔ اور اس ذاکر کو سامنے بٹھا کر مائیک خود سنبھالا اور اعلان کر دیا۔ اب تک تم نے سیدہ عائشہ کی شان میں جو بکواس سنی ہے اس کا جواب بھی سننا ہوگا۔ اگر کسی نے اپنی جگہ چھوڑی تو اس کی خیر نہیں ــــ مولانا نے غالباً پون گھنٹہ شیعہ کے اسٹیج پر، ان کے امام باڑے میں، انہی کے ذاکر کے سامنے اور انہی کے اسپیکر پر اُم المومنین کی وہ شان بیان کی کہ سننے والے دم بخود رہ گئے۔

مولانا نے فرمایا۔ میں نے اپنی ماں کی شان بیان کی ہے۔ اور میری ماں کی یہ کرامت ہے کہ اس کے دشمنوں کے جوتے انہی دشمنوں کے سر مار رہا ہوں۔

آخر میں کہا۔ میں اب واپس جا رہا ہوں۔ اور مسجد کے کوٹھے پر لیٹ کر بقیہ کاروائی سنوں گا۔ اگر پھر کسی نے یاوہ گوئی کی تو اس کی خیر نہیں ہوگی۔ یہ کہہ کر وہ اسٹیج سے اترے اور بڑے تسلی سے واپس مسجد چلے گئے۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کا راستہ بھی کاٹتا۔ تقریر کے دوران پورے شہر کی انتظامیہ آ گئی تھی۔ مولانا نے اسے بھی للکار دیا تھا۔ مگر کسی نے بھی مزاحمت نہ کی۔ یہ تھی ان کی جرأت و بسالت کی ایک مثال۔ اس واقعہ کے بعد پورے شہر میں مولانا کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور شیعہ کے منہ میں لگام آ گئی۔

## مولانا میر سیالکوٹیؒ کی کرامت

مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ یہ واقعہ اکثر سنایا کرتے تھے کہ ایک بار جھنگ میں اہلحدیث کا شیعہ کے مقابلہ میں جلسہ یا مناظرہ تھا۔ اہلحدیث کی طرف سے حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ مدعو تھے۔ مولانا میرؒ تشریف لائے تو فرمایا مجھ سے پہلے میرا یہ نوجوان فضائل صحابہؓ بیان کرے گا۔ اور شیعہ کے اعتراضات کا جواب دے گا۔ مولانا میرؒ نے یہ کہہ کر اپنی پگڑی اتار کر میرے سر پہ رکھ دی۔ اس ادا سے میرا حوصلہ بلند ہو گیا۔ میں نے اللہ کا نام لیکر مضمون شروع

گیا۔ اور اسے خوبصورت انداز میں اسے نبھایا کہ تمام سامعین حیرت زدہ رہ گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میرے حبیب کی خوشی قابلِ دید تھی۔ انہوں نے مجھے دعا دی کہ اللہ تجھے وہ عروج نصیب کرے کہ دنیا میں ایک مثال بن جائے۔ مولانا محمد صدیقؒ کہا کرتے تھے۔ میں ایک پسماندہ علاقے کا دیہاتی، جس کی زبان بھی خالص دیہاتی تھی۔ اللہ نے بہت بڑا خطیب ہونے کا اعزاز عطا فرما دیا۔ مولانا کہا کرتے تھے کہ کون کہتا ہے اہلحدیث میں ولی نہیں ہوتے اصل بات یہ ہے کہ اہلحدیث ہی تو ولی ہوتے ہیں۔ جو اہلحدیث نہیں وہ ولی کیسے ہو سکتا ہے۔

مولانا نے شیعہ کے علاوہ بریلویوں سے بھی کئی مناظرے کیے اور ہر بار کامیاب ہوئے۔ اکثر جگہ تو حریف مقابلے پہ آتا ہی نہیں تھا۔ پھر مولانا اکیلے میدان میں رہ جاتے تو انہیں اپنے خیالات بہتر انداز میں سامعین سے کہنے کا موقع مل جاتا۔ یوں مسلک کی خوب تبلیغ ہوئی۔ کئی لوگ موقع پر ہی اہلحدیث ہو جاتے۔

## مولانا صدیقؒ کی جرأت

مولانا کی جرأت ایک مثال بنی ہوئی تھی پہلے تو انہیں اپنی مسجد کی انتظامیہ کے ساتھ ہی سیدھا ہونا پڑا۔ یہ بات تو معروف ہے کہ چند لوگ مساجد کے نظم ونسق کے حوالے سے مسجدوں پر قابض ہوتے اور اسے اپنے آباء کی وراثت سمجھتے ہیں۔ اور علماء کو ایک تنخواہ دار ملازم سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے، جاہل ہو کر عالم پر قابض ہوتے ہیں۔ امین پور بازار کی یہ جامع مسجد مرکزی ہونے کے باوجود خاصی مشہور تھی کہ کوئی عالم یہاں ٹک نہیں سکتا۔ مولانا احمد دین گکھڑویؒ، مولانا صمصام جیسے لوگ یہاں نہ ٹک سکے تھے۔ انتظامیہ کی بدقسمتی کہ وہ اس بلوچ جوان کو لے آئے۔ مولانا شہری زبان نہیں بول سکتے تھے۔ اپنی مخصوص پنجابی میں تقریر کرتے اور لہجہ تحکمانہ آخر کو زمیندار اور گاؤں کے نمبردار کے بیٹے تھے۔ ایک ڈیڑھ ماہ تو انہوں نے برداشت کیا۔ پھر آگئے اپنی عادت پہ۔ مولانا کو تبدیل کر دینے کی صلاح ٹھہری۔ یہ بات مولانا تک پہنچ گئی تو آپ بندوق لے کر خطبہ دینے کیلئے آ گئے پہلی بار کھل کر تقریر کی۔ اور اپنے جوہر دکھائے۔ دوسرے خطبہ میں اپنی آن پہ آگئے اور پاؤں کو زور سے منبر پہ مار کر بندوق لہرا کر کہنے لگے کون ہے جو مجھے مسجد سے نکالنے کی بات کرتا ہے۔ سامنے آئے

میں اس کا منہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ خبردار صدیق کو تم نہیں ہٹا سکتے۔ جب جائے گا خود ہی جائے گا۔ اور واقعی ایسے ہوا۔ بیس بائیس برس خطیب رہے۔ جب معذور ہو گئے تو خطابت چھوڑی۔

**ایک لطیفہ** ۱۹۸۲ء میں پہلا تعلیمی سال مکمل کر کے مولانا سے ملنے مسجد گیا۔ مولانا نے بیٹھ کر خطبہ دیا۔ شوگر کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ کمزوری اور نقاہت بہت زیادہ تھی۔ جمعہ کے بعد میں نے مذاقاً کہا مولانا اب تو مسجد چھوڑ دیں۔ کسی اور کو موقع دیں۔ مولانا مسکرائے اور کہا پچیس سال سے لوگ چھڑا رہے ہیں نہیں چھوڑ رہا۔ اب تو کیسے چھڑائے گا۔ جامعہ سلفیہ کی مسند شیخ الحدیث تو چھن گئی۔ اب مسجد بھی چھڑانا چاہتا ہے ——— یاد رکھنا میں نے چھوڑ دی تو یہاں باہر سے کوئی جمعہ پڑھنے نہیں آئے گا۔ مولانا کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔ مولانا کی جگہ پھر کوئی کام نہ سنبھال سکا۔ وہ رونقیں اور جرأت و شجاعت کی کہانیاں اب کہاں؟ جمعہ تو اب ہر مسجد میں ہوتا ہے مگر مولانا کی وفات سے فیصل آباد میں جماعت اہل حدیث کی خطابت کا سورج بھی گہنا گیا ہے۔ اب اس سطح کا کوئی خطیب موجود نہیں ہے۔ مستقبل میں اللہ سے کوئی ناامیدی نہیں۔

یہ بیس پچیس سال یونہی نہیں گزر گئے۔ اس عرصہ میں بڑے بڑے طوفان آئے سیاسی مذہبی طور پہ انقلابات آتے رہے۔ مگر مولانا نے اپنی خو نہ بدلی۔ اپنے موقف سے دستبردار نہ ہوئے۔ ان کے پائے کے خطیب مختلف قسم کی ترغیبات میں پھنس کر اپنا سیاسی امیج گنوا بیٹھے۔ مگر مولانا محمد صدیق اس کوچے میں سرخرو ہو کر نکلے۔ بھٹو دور تو فسطائیت کا دور تھا۔ لائل پور میں دیوبند کے سب سے بڑے خطیب مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم کا ساتھ دینے کے باعث حکومتی نوازشات سے بہرہ مند ہوئے۔ کم از کم عوام کی محبت سے ہاتھ دھو بیٹھے رونقیں اجڑ گئیں۔ خطابت کا سورج غروب ہو گیا۔ مولانا محمد صدیق ؒ کو اپنے اس ساتھی کے زوال کا بڑا دکھ تھا۔ آخر کار ۱۹۷۷ء میں تحریک نظام مصطفیٰ میں وہ شامل ہوئے سر پہ کفن باندھ کر نکلے اور سوئے دار چلے۔ گزشتہ پانچ سالہ زوال کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی۔ مگر عوام کے دلوں میں وہ جگہ حاصل نہ کر سکے۔ دیوبند کے دوسرے بڑے خطیب مولانا تاج محمود تھے مگر وہ صلح پسند طبیعت کے مالک تھے۔ تنقید کا لب و لہجہ اتنا مخلوط ہوتا تھا کہ یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ تنقید

ہورہی ہے یا تعریف۔ مولانا مفتی زین العابدین دیسے تبلیغی جماعت کے ہو رہے تھے۔ جن کا تعلق یا مافوق السماء سے تھا یا ماتحت الارض کے ساتھ۔ علی وجہ الارض سے ان کو کوئی سروکار نہ تھی۔ جبکہ ساری ہنگامہ آرائی علی وجہ الارض پر تھی۔ اس لیے اس پورے عرصے میں جرأت و شجاعت کا ایک ہی نام تھا یعنی مولانا محمد صدیق ـــــ جنھوں دور میں ان پر بہت کڑے آزمائشی مرحلے آئے، قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ مقدمات میں الجھانے جلنے کا ڈر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ کلمہ حق کہنے سے باز رکھنے کی تلقین کی گئی۔ مگر مولانا کا ایک ہی جواب تھا۔ ؎

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

حتیٰ کہ مولانا کی مسجد بھی اوقاف نے چھیننے کی کوشش کی۔ مگر مولانا محمد صدیق نے اس پہلو بھی حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ یاد رہے کہ فیصل آباد شہر کی وہ واحد مسجد تھی جو اوقاف کے قبضے میں نہ آ پائی۔

مولانا کا سیاسی پس منظر بھی تھا۔ ذاتی وجاہت بھی تھی، مذہبی قوت بھی تھی۔ اس لیے انتظامیہ مجبور تھی ان کا تعاون حاصل کرنے پر۔ قادیانیت کے خلاف انہوں نے بہت مؤثر کردار ادا کیا۔ جس افسر کے بارے میں پتہ چلتا کہ وہ قادیانی ہے اسے تبدیل کرائے بغیر دم نہ لیتے تھے۔ ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ میں ان کی تقریر اہلحدیث کی نمائندہ ہوا کرتی تھی۔

**جامعہ سلفیہ** جامعہ سلفیہ کے سلسلہ میں مولانا مرحوم نے بھی بڑا کام کیا۔ ـــــ میں نے ۱۹۸۰ء میں فراغت حاصل کی تھی۔ اور مولانا ہی نے دستار بندی کی اور اگلے سال مدینہ یونیورسٹی کیلئے رخصت بھی آپ ہی نے کیا۔

مولانا مرحوم دل کے بہت نرم اور گفتار میں بے پناہ اثر انگیزی رکھتے تھے۔ بات منہ پر کرنے کے عادی تھے۔ جھوٹ اور ہیرا پھیری سے سخت نفرت تھی۔ جس طالب علم یا آدمی کے بارے میں انہیں کھٹک جاتا کہ وہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے۔ اس کا اعتماد دوبارہ بحال ہونا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ طالب علم کتنی ہی غلطی کر لیتا مگر صاف کہہ دیتا تو آپ اسے سزا دینے کے روادار نہ ہوتے۔ کتنے بچوں کو سچ بولنے

کا ہمت و جرأت دینی چاہیے۔ مولانا حافظ شاد اللہ سرگودھوی ان دنوں مدیر التعلیم تھے۔ ان کا رعب بہت زیادہ تھا۔ اس لیے طلباء ان کے پاس جانے سے کتراتے تھے۔ اور مولانا سے دستخط کروا لیتے۔ میں ان کے دائیں ہاتھ بیٹھا تھا۔ اور بائیں ہاتھ ایک طالب علم لیاقت چوہدری ہوا کرتے تھے ہماری سفارش پر مولانا درخواست پڑھے بغیر ہی دستخط کر دیتے تھے۔ ایک بار ایک طالب علم نے ۸ دن کی رخصت کے ایک ہندسہ بڑھا کر ۱۸ دن کر لیے۔ حضرت حافظ صاحب نے غیر حاضریاں دیکھ کر اس کا نام خارج کر دیا۔ ان دنوں جامعہ میں بڑی سختی تھی وہ طالب علم ۱۸ روز کے بعد آیا تو اسے خارج کیے جانے کا علم ہوا اس نے درخواست لکھوائی کہ میں نے ۱۸ دن کی چھٹی باقاعدہ لی ہوئی تھی۔ درخواست پر مولانا کے دستخط تھے۔ حافظ صاحب اس لڑکے کو لیکر مولانا کی طرف آ رہے تھے۔ میں معاملہ سمجھ چکا تھا۔ آہستہ سے کھسک گیا۔ حافظ صاحب نے مولانا سے کہا مولانا یہ طالب علم ۱۸ دن کی چھٹی لے کر گیا اور آپ نے دیدی مولانا کہنے لگے ——— حافظ جی میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں میں نے کبھی کسی کو اتنی لمبی چھٹی نہیں دی۔ ——— حافظ صاحب نے درخواست سامنے کر دی تو مولانا کہنے لگے یہ اعلیٰ آولی کی کارکردگی ہے مجھے تو پتہ نہیں۔ کہاں گیا اعلیٰ آولی (مولانا مجھے اعلیٰ آولی کہا کرتے تھے۔ کہ عبد الاعلیٰ بڑا مشکل لفظ تھا) مجھے نہ پا کر کہنے لگے حافظ صاحب خاطر جمع رکھیں۔ اسے آنے دیں میں اس کی خبر آج اچھی طرح لوں گا۔ جب معاملہ ذرا ٹھنڈا پڑا۔ مجھے ان کی طبیعت کا اندازہ تھا۔ کہ ان کا غصہ بہت جلد ہوا ہو جاتا ہے۔ جب ملا تو کہنے لگے تو نے مجھے خوار نہ کرایا کہ اتنی لمبی رخصت کیوں دلوا دی تھی۔ میں نے بتایا کہ اس نے ہیرا پھیری کی ۸ کی بجائے ۱۸ روز بنا لیے ہیں۔ مولانا بڑے جلال میں آگئے۔ اسے بلایا گیا۔ میں نے اس لڑکے کو اشارہ کر دیا کہ سچ سچ کہہ دے چھوٹ جائے گا۔ اس نے کہہ دیا میری ماں کی طبیعت خراب تھی اس لیے میں نے مجبوراً اتنے دن بنا لیے کہ اتنی لمبی چھٹی نہیں مل سکتی تھی۔ دو باتیں مولانا کی کمزوری تھیں سچ اور ماں، باپ کی بیماری، مولانا خاموش ہو گئے۔ اور حافظ صاحب سے کہا جیسا بچہ ہے ماں بیمار تھی۔ آئندہ نہیں کرے گا ایسی حرکت ———

طلباء پر مولانا بے حد شفیق تھے اکثر کہا کرتے تھے۔ یہ ان کے ماں باپ کی بڑی قربانی ہے کہ

نہیں کسی مزدوری پہ نہیں لگایا اور دین پڑھنے کیلئے بھیج دیا۔ اساتذہ سے کہتے ان بچوں کی شرارتوں پہ غصہ نہ کیا کریں۔ ہم اور آپ بھی اسی عمر سے گذرے ہیں۔ کتنے ہی طالب علم تھے جنہیں جامعہ سے نکال دیئے جانے کا نوٹس دیا جاتا مگر وہ مولانا کے گھر گلبرگ پہنچتے۔ چائے پانی پیتے اور رونی سی صورت بناکر اس حادثہ سے آگاہ کرکے مولانا کی ہمدردی حاصل کر لیتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ اس پہلو میں بھی ان کی خوبیاں گنوائی نہیں جا سکتیں۔

مولانا محمد صدیقؒ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کے نائب امیر منتخب ہوئے تھے۔ مگر جماعت کی کارکردگی پر کبھی مطمئن نہ ہوئے تھے۔ ایک بار مجلس عاملہ کا ایک اجلاس راوی روڈ دفتر میں ہو رہا تھا۔ عصر کے وقت باہر نکلے تو حافظ محمد یحییٰ صاحب عزیز میر محمدی اور مولانا محمد صدیق ایک دوسرے سے کہنے لگے ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی کیا ہو رہا ہے۔

۱۹۷۸ء میں مجلس شوریٰ کا ایک اجلاس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں ارکان شوریٰ نے قیادت کے جو لتے لیئے تھے اس سے ہوا کا رخ نظر آ گیا تھا کہ یہ قیادت کاٹھ کی ہنڈیا ہے۔ جو بار بار انتخابات کے چولہے پہ نہیں چڑھ سکتی۔ یہ ایک الگ داستان ہے۔ مولانا نے جب اپنے امیر اور ناظم کا حشر دیکھا۔ بحیثیت نائب امیر ان کی بھی پیشی ہوئی۔ سٹیج پہ آکر پنجابی میں کہا۔

" او بھراؤ۔ جدوں میرے توں وڈیاں نے کچھ نہیں کیتا تے میں کی کرناں سی —— آ ویکھو ہتھ جوڑ رہاں آ۔ مینوں ہن دی معافی دیو چا۔ "

اس پر سارا مجمع بے ساختہ ہنس پڑا۔ اور مولانا تنقید سے صاف بچ گئے۔

مولانا محمد صدیقؒ جرأت و شجاعت کا پیکر تھے۔ مگر حکمت اور رواداری کو کبھی فراموش نہیں کرتے تھے۔ اگر کسی وقت غصے میں آجاتے تو بعد میں کہہ دیتے کہ میں بلڈ پریشر کا مریض ہوں۔ انہیں جوڑ توڑ اور سازشی عناصر سے سخت نفرت تھی۔ وہ زبان کے کھرے، دل کے صاف اور کردار کے مضبوط تھے انہوں نے بھرپور زندگی گذاری۔ بڑی ہنگامہ آرائیوں سے گزرے۔ بڑی سازشوں اور سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بے پناہ مالدار بھی تھے۔ وسیع و عریض کاروبار کے مالک تھے۔ آبائی طور پر حنبلہ

تھے۔ انسان ہونے کے ناطے سے ان میں کمزوریاں بھی ہونگی مگر وہ مجموعی حیثیت سے ناقابل فراموش شخصیت کے مالک تھے۔ شوگر اور بلڈ پریشر کے پرانے مریض تھے۔ ——— مگر گذشتہ پانچ برس سے فالج کا بھی شکار ہو گئے۔ گذشتہ برس زیارت کیلئے حاضر ہوا۔ تو بہت اونچا سننے لگ گئے تھے۔ نظر بھی کافی کمزور ہو چکی تھی جب پہچان لیا تو رو دیئے کہ جس جماعت کی اتنی خدمت کی۔ وہ کبھی پوچھتے بھی نہیں۔ عربی کا ایک شعر بھی پڑھا۔ جو اب مجھے یاد نہیں رہا۔ جس میں زمانے کی ناسازی کا شکوہ کیا گیا تھا۔ واپسی پر سارے راستے میں سوچتا رہا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے بے شمار لوگوں کو جرأت دی منبر و محراب کے وارثوں کو حوصلہ دیا، سیاست کا رُخ موڑ دیا۔ بڑے بڑے سرکاری افسر اس کا پانی بھرتے تھے۔ نوجوان طلباء و علماء ان کی مجلس میں بیٹھ کر اپنے غم بھول جاتے تھے ——— اور آج ان میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی۔ کیونکہ دنیا اور اس کا سب کچھ فانی ہے ——— اور اب ان کی رحلت کی خبر نے چونکا دیا۔ رہے نام اللہ کا۔

مولانا محمد صدیق کی وفات سے جماعت اہل حدیث ایک عظیم خطیب، ایک نامور مفکر ایک دماغ قائد، ایک بے مثال مناظر، ایک مخلص داعی ایک بے باک عالم اور بے نظیر مجاہد سے محروم ہو گئی ہے۔ ان کی وفات سے خطابت کا گلستان خزاں کا شکار ہو گیا ہے۔ کہ ایسے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بار پھر شہدائے اہل حدیث، علمائے اہلحدیث اور خصوصاً فیصل آباد کے بزرگ حضرت مولانا احمد دین گکھڑوی حضرت مولانا محمد رفیق مدن پوری، حضرت مولانا عبدالرشید گوہر، حضرت مولانا پروفیسر محمد شریف اشرف کی وفات کا زخم تازہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب مرحومین کی بال بال مغفرت فرمائے۔ رات کا آخری حصہ داخل ہو رہا ہے پاکستان میں لوگ بیدار ہو رہے ہوں گے۔ اور میں قلم کو بند کر دینا چاہتا ہوں۔ اور خود آرام کیسے کروں حقیقتاً آرام اس دن کرنے کو جی چاہے گا جب جماعت کی شام غم ختم ہوگی۔ ورنہ ہمارے علماء، مسلکی گروہ گمنامی میں تحلیل ہوتے رہیں گے۔ آئیے مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت میں اتحاد و اتفاق کی بہار پیدا فرما دے ——— وما ذالک علی اللہ بعزیز